زوجین کی علیحدگی کے شرعی احکام

رفیع اللہ شہاب

خوشحال گھرانہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ تاہم بعض اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ میاں بیوی کی علیحدگی کے سوا کوئی چارا باقی نہیں رہتا اور ان میں ایک دوسرے کے خلاف اس حد تک نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کو اکٹھا رکھنا الٹا معاشرے کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس وقت شریعت انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کا شرعی حق عطا کرتی ہے۔

ایک عاقل، بالغ مرد و عورت کا باہمی رضامندی سے ازدواجی زندگی بسر کرنے کا معاہدہ شرعی اصطلاح میں نکاح کہلاتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اسے "میثاقاً غلیظاً" کہہ کر پکارا ہے۔ (النساء آیت ۲۱) اسی صورت میں باہمی رضامندی کے سلسلے میں مردوں کے متعلق فرمایا کہ "فانکحوا ما طاب لکم من النساء" پس تم ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں۔ اور عورتوں کے ضمن میں فرمایا کہ "لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھاً" کہ تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کا یہ معاہدہ اسی صورت میں جائز ہو سکتا ہے، جب مرد کے لئے "ما طاب" کی شرط پوری ہوتی ہو اور عورت کے دل میں اس مرد کے خلاف کوئی کراہت نہ ہو۔

قرآن مجید اور زوجین کے حقوق

اسلامی معاشرے میں مرد تو اپنے علیحدگی کے حق کو بے محابا استعمال کرتے رہے ہیں اور بعض اوقات اس حق کا ناجائز فائدہ بھی اٹھایا جاتا رہا ہے لیکن مسلمان عورت نے معاہدہ نکاح سے علیحدہ ہونے کے اپنے اس حق کو شاذ و نادر ہی استعمال کیا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات اس سلسلے میں بڑی ہی واضح ہیں کہ نکاح اس کے نزدیک ایک معاہدہ ہے اور جس طرح ایک فریق یعنی مرد کو اس سے علیحدہ ہونے کا حق حاصل ہے، تو یہی حق فریق ثانی یعنی عورت بھی استعمال کر سکتی ہے۔ پھر یہ کراہت والا معاملہ صرف زوجین کی

صوابدید ہی پر نہیں چھوڑ دیا گیا کہ اگر میاں بیوی میں کوئی وقتی اختلاف پیدا ہوا تو وہ علیحدگی کا فیصلہ کر لیں بلکہ ارشاد فرمایا کہ :-

وان خفتم شقاق بینہما فابعثوا حکماً من اھلہ وحکماً من اھلہا ان یرید اصلاحاً یوفق اللہ بینہما۔ (النساء - ۳۵)

(ترجمہ) اگر تمہیں میاں بیوی میں باہمی اختلاف کا خدشہ محسوس ہو تو ایک ثالثی بورڈ بٹھاؤ جس میں ایک رکن مرد کے خاندان کا اور ایک عورت کے خاندان کا ہو۔ اس بورڈ کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ وہ ان دونوں میں مصالحت کرا دے۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ دونوں میں موافقت کی صورت پیدا کر دے گا۔

فقہاء کرام نے اس ارشاد ربانی کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے :

فاذا حدث بین الزوجین شقاق فمن السنۃ ان متوسط بینہما من یستطیع التاثیر علیہما من اھلہما۔ فان عجزوا من الاصلاح واشتد الشقاق الی درجۃ یخشی معہما الخروج عن حدود اللہ تعالیٰ فان فی ھذہ الحالۃ یصح المفارقۃ بعوض اولبغیر عوض۔ [۱]

(ترجمہ) اگر زوجین کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے تو سنت یہ ہے کہ ان کے خاندان سے وہ آدمی آئے جو ان دونوں پر اثر انداز ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ صلح کرانے میں ناکام رہیں اور جھگڑا اس حد تک طول پکڑ جائے کہ حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خدشہ ہو تو پھر اس صورت میں زوجین کی جدائی ہی بہتر ہے۔ چاہے وہ معاوضے کے بدلے ہو یا بغیر معاوضے کے ہو۔ جدائی کے اس عمل کو فقہ میں یوں بیان کیا گیا ہے :

الخلع نوع من الطلاق۔ لان الطلاق تارۃ یکون بدون عوض وتارۃ بعوض والثانی ھو الخلع۔ [۲]

(ترجمہ) خلع طلاق ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ طلاق کبھی بغیر کسی معاوضے کے ہوتی ہے اور کبھی معاوضے کے بدلے میں اور یہ دوسری قسم کی طلاق خلع کہلاتی ہے۔

طلاق اور خلع کا مفہوم یہ ہے کہ اگر زوجین میں مصالحانہ کوششوں کے باوجود صورتِ حالات اس حد تک پہنچ جائے کہ دونوں کے لئے نباہ مشکل ہو جائے تو ان میں سے ہر فریق علیحدگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

احادیث اور زوجین کی علیحدگی

ہمارے معاشرے میں مرد کے حق طلاق پر تو کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ البتہ کبھی عورت کی طرف سے اس حق کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کا یہ شرعی حق تسلیم نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ دورِ رسالت میں عورتوں کے اس حق کو بھی اسی طرح تسلیم کیا جاتا تھا جس طرح مردوں کا۔ جیسا کہ ان دو احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جمیلہ بنت سلول نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے اپنے شوہر ثابت سے دین یا کردار کی کوئی شکایت نہیں۔ لیکن میں اسلام میں آجانے کے بعد کفر کو پسند نہیں کرتی۔ میں اپنی نفرت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تم اس کا باغ واپس کرنے پر تیار ہو۔ اس نے کہا ہاں! آپؐ نے ثابت کو حکم دیا کہ باغ قبول کر لو اور اسے طلاق دے دو۔"[۳]

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حبیبہ بنت سہل، ثابت بن قیس کی بیوی تھیں۔ وہ بدشکل تھے۔ چنانچہ ان کی بیوی نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ خدا کی قسم اگر خوفِ خدا دامن گیر نہ ہوتا تو جب وہ شادی کی رات میرے پاس آئے تھے میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تم اس کا باغ واپس کر دو گی؟ عرض کیا ہاں، چنانچہ اس نے ان کا باغ واپس کر دیا اور حضورؐ نے ان دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی۔[۴]

اس واقعہ کی تشریح کرتے ہوئے امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے عورتوں کی شکایتوں ہی کو کافی سمجھا۔ اور اس سلسلے میں خاوندوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ فرمائی بلکہ یہاں تک بھی دریافت نہ فرمایا کہ:

هل انت كارهها كما كرهتك ام لا۔[۵]

(ترجمہ) کیا تم بھی اسے ویسا ہی ناپسند کرتے ہو جیسے وہ تجھے ناپسند کرتی ہے۔ پھر عورتوں نے ناپسندی کی جو وجہ بیان کی، اس کا کوئی مزید کھوج نہیں لگایا گیا بلکہ محض ان کا بیان تسلیم کر کے ان کے حقِ علیحدگی کو نافذ کر دیا گیا۔ اس سے یہ واضح ہے کہ عورت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ خاوند سے نفرت کے اسباب عدالت کے سامنے لائے اور عدالت یہ دیکھے کہ وہ اسباب درست ہیں یا نہیں۔ زیادہ سے زیادہ عدالت کا یہ کام ہے کہ وہ اس امر کی تسلی کر لے کہ عورت اپنا بیان اپنی رضامندی سے دے رہی

ہے۔ عورت کے فیصلے کے بعد کوئی عدالت زبردستی اسے اس کے خاوند کے نکاح میں رکھ نہیں سکتی۔ البتہ مرد نے جو کچھ اپنی بیوی کو دیا تھا اسے پورا پورا یا اس کا کچھ حصہ واپس دلا سکتی ہے جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اگر اس معاوضے کا تعین بھی رضامندی سے ہو جائے تو پھر کسی عدالت میں جانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ حنفی فقہ کے ایک مشہور امام قاضی ابوبکر جصاصؒ اس بارے میں ائمہ کا فیصلہ ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ وابو یوسف ومحمد وزفر ومالک والحسن بن الصالح والشافعی یجوز الخلع بغیر سلطان وروی مثلہ عن عمر وعثمان وابن عمرؓ رضی اللہ عنہم[۶]

(ترجمہ) امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام مالکؒ، حسن بن صالحؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک خلع حکومت کی مداخلت کے بغیر جائز ہے۔ اور یہی مسلک حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا گیا ہے۔

ہم نے عورت کے حق علیحدگی کے بارے میں اوپر جو شرعی احکام پیش کئے ہیں وہ نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ مولانا مودودی خلع پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خلع کی اس بحث سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قانون اسلامی میں عورت اور مرد کے حقوق کے درمیان کس قدر صحیح توازن قائم کیا گیا تھا۔ اب ہماری اپنی غلطی ہے کہ ہم نے اپنی عورتوں سے خلع کے حق کو عملاً سلب کر لیا ہے اور اصول شرع کے خلاف خلع دینے یا نہ دینے کو بالکل مردوں کی خواہش پر منحصر ٹھہرا دیا۔ اس سے عورتوں کی جو حق تلفیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ ان کی ذمہ داری خدا اور رسولؐ کے قانون پر قطعاً نہیں۔ اگر اب بھی عورتوں کے اس حق کا استقرار ہو جائے تو وہ بہت سی گتھیاں سلجھ جائیں جو ہمارے ازدواجی معاملات میں پیدا ہو گئی ہیں۔"[۷] عورت کا یہ حق علیحدگی کسی شرط سے مشروط نہیں۔ وہ اپنی صوابدید کے مطابق جب چاہے اسے استعمال کر سکتی ہے، فرماتے ہیں:

"خلع کے مسئلہ میں دراصل یہ سوال قاضی کے لئے تنقیح طلب ہے ہی نہیں کہ عورت آیا جائز ضرورت کی بنا پر طالب خلع ہے یا محض نفسانی خواہشات کے لئے علیحدگی چاہتی ہے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے قاضی ہونے کی حیثیت سے جب مقدمات خلع کی سماعت کی تو اس سوال کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ کیونکہ اول تو اس سوال کی کما حقہ تحقیق کرنا کسی قاضی کے بس کا کام نہیں۔ دوسرے خلع کا حق عورت کے لئے اس حق کے مقابلہ میں ہے جو مرد کو طلاق کی صورت میں دیا گیا ہے۔ ذواقیت کا احتمال دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔ مگر مرد کے حق طلاق کو قانون میں

اس قید کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے کہ وہ ذواقیت کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ پس جہاں تک قانونی حق کا تعلق ہے، عورت کے حق خلع کو بھی کسی اخلاقی قید سے مقید نہ ہونا چاہیئے ۸؎ ⊙

ماخذ

۱؎ الفقہ علی مذاہب الاربعۃ ۴/ ۳۹۴

۲؎ ایضاً۔ ص ۳۹۳

۳؎ بخاری مع فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۱۱، صفحہ ۳۱۹

۴؎ سنن ابن ماجہ ۱/ ۶۶۳

۵؎ فتح الباری شرح بخاری جلد ۱۱/ ۳۲۰

۶؎ احکام القرآن لابی بکر جصاص ۲/ ۲۳۵

۷؎ حقوق الزوجین طبع ششم، صفحہ ۷۳، ۷۴

۸؎ ایضاً صفحہ ۷۰۔ ۷۱